مشکلات کے مقابلہ میں بہادرانہ
طریق عمل اختیار کرو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مشکلات کے مقابلہ میں بہادرانہ طریق عمل اختیار کرو

(تقریر فرمودہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۷ء)

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حسبِ ذیل تقریر ۱۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء کو اُس دعوت کے موقع پر فرمائی جو جمعیۃ فتیان الاحمدیہ نے جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل کے اعزاز میں جیل سے رہا ہونے پر دی۔)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مجھے اِس وقت سر درد اور گلے میں تکلیف ہے لیکن مَیں نے نہ چاہا کہ اِس تقریب سے غیر حاضر رہوں جس میں اِس وقت احباب جمع ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک ہماری جماعت ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس حالت کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے جو بدقسمتی سے نظامِ حکومت میں پیدا ہوگئی ہے ہماری جماعت کا ایک فرد جیل خانہ میں گیا۔ ہمیں عدالتوں سے شکوہ نہیں اس لئے کہ عدالت اس قانون کی پابندی کیلئے مجبور ہے جو اس کے سامنے حکومت نے رکھا اور اُس شہادت کو قبول کرنا یا کم از کم اُس کی طرف مائل ہونا قدرتی امر ہے جو حکومت کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ آگے یہ حکومت کا کام ہے خصوصاً پولیس کا کہ ایسی شہادت پیش کرے جو سچی ہو مگر بدقسمتی سے جیسا کہ ہائی کورٹوں کے فیصلے دلالت کرتے ہیں' ہندوستان کی پولیس اس بارہ میں بہت کوتاہی کرتی ہے اور اِس وجہ سے مُجرم اور غیر مُجرم میں امتیاز نہیں ہوسکتا۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ لوگ قربانی کر کے حکومت کی توجہ اِدھر پھیریں۔

ابھی گزشتہ دنوں یہ سوال پیش ہوا تھا کہ ایگزیکٹو اور جوڈیشل کو الگ الگ کیا جائے مگر حکومت نے اس کی مخالفت کی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ایگزیکٹو اور جوڈیشل کے اکٹھے ہونے کی

خرابی کو نمایاں طور پر حکومت کے سامنے لایا نہیں گیا ورنہ حالت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی دیانت دار یہ کہہ نہیں سکتا کہ اس بارے میں اصلاح کی ضرورت نہیں۔ ایک مجسٹریٹ جس کی ترقی کا انحصار سپرنٹنڈنٹ پولیس کی مسکراہٹ پر منحصر ہو کیونکر ممکن ہے کہ اس گواہی کو دیکھ کر جسے سپرنٹنڈنٹ پولیس یا دوسرے پولیس والوں کی طرف سے پیش کیا جائے، ردّ کر دے وہ جانتا ہے کہ میری کامیابی یا ناکامی اس سے وابستہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض حماقت سے یہ بات پیش کیا کرتے ہیں کہ بہرحال جوڈیشل اور ایگزیکٹو کو اگر الگ بھی کیا جائے تو بھی ایک مقام پر جا کر وہ ایک ہاتھ میں جمع ہو جائیں گی۔ مگر ابتدائی حالتوں میں ایسا ہونا اور بات ہے اور انتہائی حالتوں میں ہونا اور بات۔ انگلستان میں بھی بادشاہت یا وزارت کے ہاتھ میں جوڈیشل اور ایگزیکٹو محکموں کی باگیں جمع ہو جاتی ہیں مگر ان بالا افسروں کو لوکل معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، اُن کا عُہدہ اتنا بالا اور بلند ہوتا ہے کہ خیال کیا جاتا ہے اور جائز طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان معاملات میں دخل نہ دیں گے۔ پس سوال ماتحت اور چھوٹے افسروں کا ہے جن کا روزانہ میل جول آپس میں ہوتا ہے اور جو ایک دوسرے سے تعلقات رکھتے ہیں۔ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ ان تعلقات کو نبھائیں اور ایک دوسرے کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے کے منشاء کے مطابق کام کریں۔

میں نے اس بات کو مدنظر رکھ کر قبرستان کے مقدمہ میں جو ملزم تھے، اُن کو مشورہ دیا تھا کہ اگر بطور سزا جُرمانہ ہو تو ادا نہ کریں اور قید قبول کریں ہاں اگر حُکّام خود جُرمانہ لے لیں تو اور بات ہے۔ خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت باقی سارے ملزمین تو رہا ہو گئے اور صرف مولوی عبدالرحمان صاحب باقی رہ گئے جن کو موقع مل گیا کہ جیل میں چلے جائیں۔ مگر ان کی مثال امریکہ کے اُن سیّاحوں کی سی ہے جو پندرہ بیس روز کیلئے ہندوستان آتے اور پھر واپس جا کر ہندوستان کی سیاسیات پر کتاب لکھ دیتے ہیں اگر وہ لوگ پندرہ بیس روز کی سیاحت کے بعد ہندوستان پر کتاب لکھ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب پندرہ بیس روز جیل خانہ میں رہ کر جیل خانہ کے متعلق کتاب نہ لکھ دیں۔ اگر وہ کسی اچھے مصنّف سے مل کر ایسی کتاب لکھیں تو میرا خیال ہے کہ بہت مُفید ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کے اثرات جو عادی مُجرم ہوتے ہیں جیل خانہ سے نکلتے ہوئے یہ ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا لوٹا اور کمبل محفوظ رکھنا، ہم پھر آئیں گے لیکن ایک شریف انسان کا یہ خیال نہیں ہوتا۔ چاہے یہ خیال ہو کہ اگر خدا تعالیٰ

کے رستہ میں پھر یہ تکلیف اُٹھانی پڑے تو پھر تیار ہوں۔ مگر یہ غیر معیّن صورت ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے امتحان لینا ہو تب قید کی تکلیف اُٹھائیں یہ نہیں کہ ان کی خواہش ہو کہ پھر اسی جیل خانہ میں آئیں۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جیل خانہ سے بہت کچھ کما کر لاتے ہیں' وہ ملازمین سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور قیدیوں کو سگریٹ تمبا کو' شراب وغیرہ پہنچاتے ہیں۔ روپیہ کی چیز چار آنے کی قیدیوں تک پہنچتی ہے باقی ملازموں اور کام کرنے والے قیدیوں کے حصہ میں آتی ہے ان کے قید کے زمانہ میں ان کا حصہ جمع ہوتا رہتا ہے اور جب وہ باہر آتے ہیں تو لے لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر کہیں کہ ہم پھر اس جیل خانہ میں آئیں گے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مجھے ایک افسر نے بتایا کہ جیل خانہ کے ایک سپرنٹنڈنٹ نے جو مر گیا ہے' جیل خانہ سے اپنے گھر آٹے کی کچھ بوریاں بھجوائیں۔ چونکہ پہلے پہل جب میں وہاں گیا تھا تو اُس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ آپ احمدی ہیں' بہت احتیاط رکھیں یہاں اخلاق بگڑ جاتے ہیں اس لئے کچھ دنوں کے بعد جب میں نے دیکھا کہ باہر ایک گڈّا کھڑا ہے اور اس پر بوریاں لادی جا رہی ہیں اور میرے پوچھنے پر کہ کیسی ہیں لادنے والوں نے بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ کے گھر جا رہی ہیں۔ تو مَیں نے ملازمین کو ڈانٹا کہ تم اُنہیں کیوں بدنام کرتے ہو اور بوریاں رکھوالیں۔ دوسرے دن جب وہ آیا تو مَیں نے اُسے یہ واقعہ بتایا۔ اسے سن کر وہ کہنے لگا کہ ملازم بہت شریر اور خبیث ہیں آپ نے اچھا کیا لیکن دوسری اور تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ آخر اُس نے مجھے دفتر میں بلایا اور کہنے لگا دیانت وغیرہ مسلمانوں کی آپس میں ہوتی ہے۔ یہ کافر ہیں' ان کا مال لینا ناجائز نہیں۔ پھر اس قسم کا مال مَیں اپنے پاس رکھا نہیں کرتا یہ لو تین سَو روپیہ' سَو روپیہ فلاں مسجد کو' سَو روپیہ فلاں انجمن کو' اور سَو روپیہ فلاں احراری مولوی صاحب جو قید ہیں اُن کی والدہ کو بھجوا دو' اس طرح اُس نے مجھ سے وہ روپیہ خرچ کرایا اور مَیں نے سمجھا کہ اس دفعہ یہ روپیہ دیا جا رہا ہے تا کہ آئندہ کیلئے مجھے خاموش کرایا جائے۔ تو جیل خانہ کے ملازموں کا ایک حصہ متواتر حرام خوری کرتا ہے اور ان کے شریک کاران کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ شریف بھی ہوتے ہیں جو ہندوستانیوں میں بھی اور انگریزوں میں بھی ہیں۔ مگر جہاں ایسے افسر ہوں جو ناجائز طور پر کمانے والے ہوں' وہاں جیل میں ان قیدیوں کا جو ان کے مددگار ہوتے ہیں رہنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نوکری کر لی۔ اور وہی یہ کہا کرتے ہیں کہ لوٹا اور کمبل سنبھال رکھنا ہم پھر آئیں گے۔ ایسے قیدیوں کا قید خانہ کے متعلق نقطہ نگاہ اور ہوتا ہے مگر ایک شریف کا نقطہ نگاہ اور ہوتا ہے۔ گو

مولوی صاحب کو ساری باتوں کا صحیح طور پر علم نہیں ہوسکتا کیونکہ بہت سی باتیں ان کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔ تاہم وہ جو کچھ بیان کریں گے اس میں ان کا نقطہ نگاہ اور ہوگا۔ کہتے ہیں کسی مُلّا نے لوگوں کو نصیحت کی کہ نمازیں پڑھا کرو ورنہ جہنم میں جاؤ گے جہاں خطرناک سانپ ہوتے ہیں، پیپ اور خون کھانے کو ملتا ہے، آگ جلتی ہے۔ غرض جو کچھ قرآن و حدیث یا پُرانی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اُس نے سنایا اِس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اس مُلّا کو جہنم کا کچھ پتہ نہیں یہ سب جھوٹ بول رہا ہے۔ لوگوں نے اسے کہا پھر تم بتاؤ جہنم میں کیا ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگا۔ سنو! جب قبر میں مُردے کو لِٹا دیا جاتا ہے تو دو آدمی ہوتے ہیں جن کے پاس بھاری گٹھڑیاں ہوتی ہیں وہ اسے قبر سے نکالتے ہیں اور گٹھڑیاں اُس کے سر پر رکھ کر دو چار تھپڑ لگاتے ہیں اور دُور دراز لے جاتے ہیں۔ صبح کو گٹھڑیاں اُتروا لیتے ہیں اور ایک روٹی اور پیاز دیکر وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ اُسے وہم ہو گیا تھا کہ میں مر رہا ہوں۔ آخر ایک دن اُس نے کہا کہ میں مر گیا ہوں، مجھے غسل دو لوگوں نے اُسے غسل دے کر قبر میں لِٹا دیا۔ جب اُس پر مٹی ڈالنے لگے تو اس نے کہا میرا دم رُکتا ہے سانس لینے کیلئے جگہ چھوڑ دو۔ لوگ اُسے اسی حالت میں چھوڑ کر آ گئے۔ رات کو وہ دیکھتا رہا کہ فرشتے حساب لینے کب آتے ہیں، اتفاقاً دو چور مال لے کر آئے انہوں نے اُسے قبر سے نکال کر دو چار چپیڑیں لگائیں اور گٹھڑیاں اُٹھوا کر لے گئے صبح کو روٹی اور پیاز دے کر اُسے واپس بھیج دیا۔ اِس سے اُس نے سمجھا کہ دوزخ میں یہی ہوتا ہے۔ تو ہر رنگ کے انسان کا نقطۂ نگاہ الگ ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جیل کے متعلق چوروں نے بھی کتابیں لکھی ہیں، کانگرس والوں نے بھی لکھی ہیں، مگر ایک احمدی کا نقطۂ نگاہ بالکل الگ ہوتا ہے۔ اگر مولوی صاحب کتاب لکھ دیں تو دوسروں کو معلوم ہو سکے گا کہ ایک احمدی جیل خانہ میں جا کر کیا دیکھتا ہے۔ کانگرسی جب جیل خانوں میں جاتے تو ان سے نہایت اعلیٰ سلوک کیا جاتا کچھ ان کے ڈر کی وجہ سے اور کچھ شرافت کی وجہ سے، لیکن جب وہ باہر نکلتے تو اتنی گالیاں دیتے اور اتنے الزامات لگاتے کہ افسر حیران رہ جاتے۔ ان میں بھی ایسے لوگ ہیں جو شریف ملازمین کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں جب مَیں ڈلہوزی گیا تو جالندھر کے ایک مشہور کانگرسی لیڈر کو مَیں نے دعوت پر بلایا۔ اس پر انہوں نے کہلا بھیجا کہ مَیں دعوت میں تو آؤں گا لیکن پہلے مجھے اجازت دی جائے کہ میں خاص ملاقات کیلئے آؤں۔ جب وہ آئے تو کہنے لگے کئی دنوں سے میرا ارادہ تھا کہ میں آپ سے ملوں۔ میں نے

پوچھا کیا بات ہے کہنے لگے۔ ایک صاحب غلام مصطفیٰ صاحب نے سنٹرل جیل لاہور میں مجھ سے ایسا عمدہ سلوک کیا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ احمدی ہیں تو میں نے کہا کہ میں مرزا صاحب سے مل کر ان کی تعریف کروں گا اور ایسے آدمی کے متعلق خاص توجہ رکھنے کیلئے کہوں گا۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ نیکی کے طور پر ان سے کون سلوک کرتا ہے اور ڈر کی وجہ سے کون۔ جو ڈر کی وجہ سے کرتے ہیں ان کے خلاف وہ شور مچاتے ہیں۔ غرض ایک کانگرسی کا جیل خانہ کے متعلق نقطۂ نگاہ اور ہے اور ایک انگریز کا اور۔ وہ تو سمجھتا ہے کہ قید یہی ہے کہ بیکار بیٹھا رہے، پانچ وقت ناشتہ کرے اور نوکر سے خدمت لے۔ ایک انگریز قید کا یہی نقشہ کھینچے گا۔ لیکن ایک احمدی کا نقطۂ نگاہ بالکل اور ہوگا اور اسے بھی وہ نقطۂ نگاہ پیش کرنا چاہئے۔ بہرحال مولوی صاحب کا جیل خانہ میں جانا اسے ہم پیش خیمہ نہیں کہتے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ’’آ بیل مجھے مار‘‘ اور یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی خواہشات سے منع فرمایا ہے اس لئے ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ احمدی جیل خانہ میں جائیں لیکن یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر موقع ملے تو ڈرنا نہیں چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ نقشِ ثانی بہتر ہوگا نقشِ اوّل سے۔ جُوں جُوں اس کے موقعے پیش آتے رہیں بلا اپنی کسی خواہش اور تمنا کے جو کوئی مصیبت میں گھر جائے اسے بجائے بُزدلی دکھانے کے ایسی بہادری دکھانی چاہئے کہ لوگ سمجھ لیں احمدی بُزدل نہیں ہوتے۔ ایسے ہی موقعے جرأت اور بہادری دکھانے کے ہوتے ہیں یا پھر مصیبت کے وقت دوسروں کے کام آنا۔ احمدیوں کو چاہئے دوسروں سے ہمدردی کریں، ان کی تکلیفوں کے وقت امداد کریں، آگ لگنے پر آگ بُجھائیں، کسی لڑائی کے موقع پر لڑائی کو روکنے کیلئے اپنی خدمات پیش کریں، نیشنل لیگ کور کی یہی غرض تھی مگر وہ ابھی تک لیفٹ رائٹ سے ہی باہر نہیں نکلی۔ غرض تو یہ تھی کہ احمدی نوجوان بہادری اور ایثار سے کام کریں اور ثابت کر دیں کہ احمدی بُزدل نہیں ہوتے اور بنی نوع انسان کے خادم ہیں۔ دوسرے لوگ اپنی بہادری کا یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ کسی کو لٹھ مارا، کسی کو چھُری سے قتل کر دیا، مگر ہمارا یہ کام ہے کہ ہم غریبوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت کریں ورنہ لیفٹ رائٹ سے کیا بنتا ہے۔ مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک دفعہ ایک شخص فقیرانہ طرز کا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کشتی میں بیٹھ کر اگر انسان دریا کو عبور کرنا چاہے تو کنارے پر پہنچ کر اُسے کشتی میں بیٹھے رہنا چاہئے یا اُتر جانا چاہئے۔ میں نے کہا یہ بات دریا پر منحصر ہے اگر دریا کا کنارہ ہے تو اُسے کنارے پر پہنچ کر اُتر

جانا چاہئے لیکن اگر غیر محدود دریا ہے اور پھر کنارہ سمجھ کر اُترتا ہے تو جب بھی وہ اُترے گا، ڈوبے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نماز وغیرہ تو ذرائع ہیں خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کو مل گیا تو پھر اس کے سواری پر بیٹھے رہنے کا کیا فائدہ؟ میں نے اُس کی اِس بات کو سمجھ کر کہا کہ اگر دریا کا کنارہ ہی نہیں تو اِدھر اُترا، اُدھر ڈوبا۔ خدا تعالیٰ کے متعلق یہی بات ٹھیک ہے لیکن بندوں کے معاملہ میں ہر چیز کا کنارہ ہے۔ ایک پہلوان اگر ساری عمر ڈنڈ پیلتا رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ لیکن اگر ایک سپاہی جو چار یا چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد ملک کی خدمت میں لگ جاتا ہے وہ بہت قابلِ تعریف ہے۔

پس ہمارے نوجوانوں کو اس قسم کے کاموں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہئے اور اس طرح بہادری کا ثبوت دینا چاہئے ورنہ لوگ کہیں گے کہ احمدی بے غیرت اور بُزدل ہوتے ہیں۔ اِس وقت جو حالت ہے اِس سے یہی خیال مخالفین میں پیدا ہوسکتا تھا اور ڈر ہے کہ خود ہماری جماعت میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو جائے اِس لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالے جائیں جو جائز ہوں اور بتائیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم بُزدل نہیں ہیں اور خدمتِ خلق کر کے اس امر کو ثابت کر دیں کہ مومن اپنے بھائیوں کے آرام کیلئے ہر طرح کی قربانی کرسکتا ہے۔

(الفضل ۳۱۔ جولائی ۱۹۳۷ء)